ایران میں مطالعہ اقبالؒ

ڈاکٹر محمد ریاض

ستمبر ۱۹۷۲ء میں آب و دانہ کی کشش کوئی ۵ برس کے بعد جب دوبارہ یہاں (ایران) لے آئی، تو منجملہ امور 'ایران میں مطالعۂ اقبال کی رفتار' کا تجسس ہوا اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ صاحبانِ دِل میں علامہ مرحوم کا کلام و پیغام برابر مقبول ہو رہا ہے اور یہاں کے اقبال دوستوں میں نوجوانوں کا معتدبہ عنصر نظر آنے لگا ہے۔ اقبال کے ذکر کی برکت سے اقبال کے مرز و بوم خاکی کا ذکر آجانا ایک بدیہی بات ہے۔ زیرِ بحث عرصے میں اقبال پر لکھی جانے والی بعض کتابیں[1] اور فارسی کُلیات[2] دوبارہ چھپیں۔ نئے مقالات لِکھے گئے۔ بعض نئی کتابیں بھی منظرِ شہود پر آئیں اور اقبال کی عقیدت سے لبریز واقعات پر مبنی بعض 'یوم اقبال' بھی انعقاد پذیر ہوئے۔ ذیل میں ان اجمالی اشاروں کی کسی قدر تفصیل درج کی جاتی ہے مگر ۱۹۷۰ء میں مشہد سے چھپنے والی کتاب 'دانائے راز' پر تبصرہ یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کے مصنف ڈاکٹر احمد احمدی بیرجندی ہیں اور مقدمہ نِگار ڈاکٹر غلام حسین صدیقی۔ کتاب میں اقبال کے فکر و فن پر مختصر تبصرہ اور شاعرِ مشرق کے فارسی کلام کا ایک حسین انتخاب مِلتا ہے مگر اِس پر مفصل تبصرہ اِس سے قبل لِکھا جا چکا ہے۔[3]

ترانۂ مِلّی' پر ایک کتاب

تہران کے مشہور دینی ادارے 'حسینیہ ارشاد' کے ارکان کو علامہ اقبال سے غیر معمولی ارادت ہے۔ اِس ادارے کی جانب سے چند سال قبل 'اقبال کی منقبتِ حضرت امام حسینؓ'

۱۔ مثلاً اقبال شناسی اور اقبال لاہوری ۲۔ مقدمہ نگار احمد سروش ۱۹۷۲ء میں انتقال کر گئے۔ ۳۔ ماہنامہ ... دنیا لاہور۔ اگست ۱۹۷۲ء

مشمولہ اسرارِ خودی' ایک رسالے کے ضمیمے میں نہایت خوشنما صورت میں چھپی تھی۔ ادارہ کی ملحقہ مسجد میں گیا تو اس کی چھت کو اشعارِ اقبال سے مزین پایا۔ اسی ادارے نے ۱۹۶۸ء میں اقبال کے 'ترانۂ ملی' کو عربی اور کئی فارسی منظوم تراجم کے ساتھ ۴۵ صفحے کے ایک بے حد دیدہ زیب کتابچے کی صورت میں شائع کرایا اور ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے۔

اقبال کا 'ترانۂ ملی' (بانگِ درا حصہ سوم) ان کی ملی شاعری کا اعلامیہ ہے جو غیر معمولی سوز و ساز کا حامل ہے۔ 'حسینیہ ارشاد' نے اِس ترانے کے مقدمے اور بعض ضمائم بھی تحریر کروائے ہیں۔ کتابچے کا عنوان ہے: 'سرود اسلامی یا انشودۃ الاسلامیہ لاستاذ العلامۃ الدکتور اقبال لاهوری'۔ ہر اُردو شعر کو پہلے عربی نثر میں ترجمہ کیا گیا ہے اور پھر عربی نظم میں۔ عربی نثر حسن الاعظمی کی ہے اور نظم استاد صاوی شعلان مصری کی، جو اس سے قبل چھپ چکی تھی۔ فارسی نثر اور کئی فارسی نظمیں سید محمد علی 'صغیر' کے تراجم ہیں۔ 'ترانۂ ملی' کے دینی افکار کے پیشِ نظر، ہم چند نمونے نقل کرتے ہیں:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا	مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو	اَب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
سالارِ کارواں ہے 'میرِ حجاز' اپنا	اِس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا
اقبال کا ترانہ' بانگِ درا ہے گویا	ہوتا ہے جادہ پیما' پھر کارواں ہمارا

عربی:

الصین لنا والعرب لنا	والهند لنا والکل لنا
اضحی الاسلام لنا دیناً	وجمیع الکون لنا وطناً
یا دجلة هل سجلت، علی	شطیك مآثر عزتنا
امواجك تروی للدنیا	وتعید جواهر سیرتنا
ومحمدٌ کان امیر الرکب	یقود الفوز لنصرتنا
ان اسم محمدٍ الهادی	روح الآمال لنهضتنا

دوّت انشودة اقبالٍ جرسا يجد وفيه الزّمنا
ليعيد قوافلنا الاولیٰ فی المجد ويبعث امتنا

فارسی :

چین و عرب زمین و ہندوستاں مارا مائیم چون مسلماں، موطن جہاں ملا
ہان مرز دجلہ تو نیز مارا نکو شناسی رُود توشد پیاپی، افسانہ خواں مارا
مارا امیر یثربؐ، خود میر کارواں است این نام بوود باشد، آرامِ جاں مارا
گویا صفیر عزم است، بانگِ درای اقبالؔ صیتِ عزیمت افگند، در کارواں مارا

یا :

بوم و بر مسلمان ہر جا از آنِ ماشد خود جملہ مسلمین را موطن جہانِ ماشد
ای رُودِ دجلہ مارا تو خوبتر شناسی ہردم زبانِ موجت، افسانہ خوانِ ماشد
مارا ہمہ، محمدؐ سرخیل و سرور آمد این نام گیتی آرا، آرام جانِ ماشد
بانگِ درای اقبالؔ، ایمان صفیر برزد بار دگر جہان پُو، این کاروانِ ماشد

آخر میں مترجم نے اپنے کچھ اسلامی اشعار بھی درج کیے جو اقبالؔ کی پیروی میں لکھے گئے اور کہا : ' اقبالؔ سے قبل کسی نے ایسا سرود نہیں لکھا وگرنہ ایک یا کئی دُوسرے نمونے بھی پیش کرتے ۔

ایک عظیم علمی مجلس

۱۹۷۰ء میں حسینیہ ارشادؔ نے ایک عظیم علمی مجلس منعقد کرائی جس کا موضوعِ بحث ' اقبالؔ کا فکر و فن' تھا ۔ اِس کانفرنس کی کاروائی اور مجموعۂ مقالات ۱۹۷۲ء میں " علّامہ اقبالؔ، کنگرہ بزرگداشت شاعر متفکرِ پاکستان " کے زیرِ عنوان چھپے اور ہاتھوں ہاتھ لئے گئے ۔ کتاب کے ۱۶۰ صفحے ہیں ۔ اِس میں مندرج بعض مطالب ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں :

حاج سید ابوالفضل مجتہد زنجانی اِس مجلس کے صدر نشین تھے ۔ انہوں نے افتتاحی خطبے میں اقبالؔ کے عالمگیر پیغامِ اخوت پر روشنی ڈالی اور فرمایا : عصرِ حاضر میں اقبالؔ کا یہ بڑا

کارنامہ ہے کہ اُس نے ایک طرف احترامِ آدم کا عالمگیر درس دیا اور دوسری طرف مسلمانوں کو اتحاد اور بھائی چارے کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ محدود وطنیت، جس سے عالمِ انسانیت، افتراق گاہ بنتا جارہا ہے، کی مخالفت اقبال سے بڑھ کر شاذ ہی کسی نے کی ہوگی۔ اُس نے توحید و رسالت کے اِتلافی اور عملی پہلو پیش کئے۔ شاعرِ اسلام نے اتحاد و یگانگت کا جو درس دیا، اسی پر عمل پیرا ہونے میں مسلمانوں کی نجات نظر آتی ہے۔ وُہ عربوں سے کس دِل سوزی سے خطاب کرتا ہے[1]:

ای در و بام تو باقی تا ابد　　نعرۂ "لا قیصر و کسریٰ" کہ زد
علم و حکمت ریزہ از خوانِ کیست　　آیۂ "فاصبحتم" اندر شانِ کیست
کارِ خود را امتان بردند پیش　　تو ندانی قیمتِ صحرای خویش
امتے بودی، اُمم گردیدہ ای　　بزمِ خود را خود زہم پاشیدہ ای
آنچہ تو با خویش کردی، کس نکرد　　روحِ پاک مصطفیٰؐ آمد بدرد

پروفیسر ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کا خطاب برِصغیر میں اسلام کے پائدار اثرات کے بارے میں تھا۔ جن کے نتیجے میں فارسی زبان کے دورِ انحطاط میں بھی وہاں ایک "رومیِ عصر و مثیلِ مولوی" پیدا ہوتا ہے اور کہتا ہے:

چون رومی در حرم دادم اذاں من　　ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او　　بہ دورِ فتنۂ عصرِ رواں من[2]

ڈاکٹر علی شریعتی کی تقریر، اقبال کی احیائے فکرِ اسلامی کی کوششوں کے بارے میں تھی۔ اِس دَور میں اقبال نے ہر چیز کو اسلام کے نقطۂ نظر سے صواب یا ناصواب کہنے کا جو رجحان پیدا کیا، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وُہ فلسفۂ غرب سے مغلوب ہوا نہ لادینی افکار کے سامنے سپر انداز وُہ غزالیِ ثانی کہلایا جاسکتا ہے۔ اُس نے سیاست، معیشت، اَدب و شعر غرض ہر موضوع کو اسلام کی دید گاہ سے دیکھنے کا نعرہ الاپا اور مسلمان مفکرین و محققین کو غیر معتذرانہ اور جرأت مندانہ

۱۔ مقرر نے اِن اشعار کا عربی ترجمہ پیش کیا تھا۔ ۲۔ ارمغانِ حجاز ۱۷۷

اسلوب اپنانے کا زرّین گُر سکھایا اور علّامہ منظور کی مساعی ضائع نہیں گئیں۔ اُستاد سید محمد محیط طباطبائی ایران میں زبدۂ اقبال شناساں کہے جا سکتے ہیں۔ ان کی تقریر کا موضوع اقبال کی ایران میں شناسائی کے مراحل' بیان کرنا تھا۔ باتیں تقریباً وہی ہیں جو ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی صاحب کی کتاب 'اقبال ایرانیوں کی نظر میں' میں لکھی گئی ہیں اور ایران میں ان کا اعادہ بے محل اور ناسود مند نہ تھا۔

اِس کتاب میں پروفیسر ڈاکٹر مہدی محقق کا مقالہ' اقبال کی فلسفۂ شرق سے وابستگی کے بارے میں ہے۔ موصوف نے بڑی محنت سے فکرِ اقبال کے مشرقی عناصر کا تجزیہ کیا' وُہ عناصر جن کے سامنے فلسفۂ غرب کے اقبالی تاثرات ماند پڑ جاتے ہیں' اگرچہ بظاہر اقبال کے پیشِ نظر فلسفۂ مغرب زیادہ رہا ہے۔

سیّد غلام رضا سعیدی "اقبال شناسی" کے معروف مصنّف' نے اقبال کو رجوع الی القرآن کی ایک تحریک قرار دیا اور انجذاب بقرآن اور آہِ سحرگاہی کو ان کے روحانی مراتب بتایا۔ انہوں نے سیّد ابوالحسن علی ندوی کا ایک قول نقل کیا کہ سیّد سلیمان ندوی مرحوم کو اقبال نے اپنے دینی افکار کا لمحۂ فکریہ' آہ سحرگاہی بنایا تھا۔[1] آہ سحرگاہی نے اقبال کو ذوق وشوق کی وُہ نعمتیں عطا کیں جنہیں وُہ عام کر گئے' البتہ صاحبانِ دل' ہی اِن نکات سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ 'کیا اِس عصر کے غرقِ مادیّت اکثر مسلمانوں کے لئے اقبال کا جذبۂ اشراق و عمل' ایک لمحۂ فکریہ فراہم نہیں کرتا کہ وُہ دین کو اِس قدر سرسری نہ جانیں؟' اِن کا سوال تھا۔ جناب حبیب یغمائی ماہنامہ' یغما' کے مدیر ہیں۔ انہوں نے ہی پروفیسر مجتبیٰ مینوی سے کتاب' اقبال لاہوری' لکھوائی تھی۔ اُنہوں نے اِس مجلس میں ایرانی سامعین کی خاطر اقبال کی فارسی تصانیف کا تعارف پیش کیا اور بعض قرار دادیں منظور کرائیں جیسے یہ قرارداد کہ اقبال کے بارے میں ایرانی ریڈیو ہفتہ وار پروگرام رکھے اور کسی یونیورسٹی کی ایک فیکلٹی اقبال کے نام منسوب کی جائے۔ انہوں نے ایک قصیدہ بھی پڑھا تھا جس میں کہا گیا ہے:

۱۔ حوالہ مذکور نہیں۔

از کلام محمدیؔ است اثر — در کلام محمدؔ اقبالؔ
فکر بکرش بکنہ بحر عظیم — شعر نغزش بہ لطف آب زلال
یادش گوی حکیم پاکستان — پاک جان، پاک شیوہ، پاک خصال
اتحاد ممالک اسلام — ہست او راز جملہ آمال

صد سالہ جشنِ ولادت پر ایک پُرمغز رسالہ

اقبالؔ کی تاریخِ ولادت ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۷ء مختلف فیہ ہے اور اَب خدا جانے ۲۹ دسمبر ۱۸۷۲ء پر اتفاق ہوگا یا ۹ نومبر ۱۸۷۷ء پر؟[1] ۱۹۷۲ء میں یہاں ایک تقریب منعقد ہوئی ہے جو صد سالہ جشنِ ولادت کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ اِس موقع پر ایران میں پاکستان کے سفیر جناب حامد نواز خان کی دعوت و ترغیب پر، تہران یونیورسٹی کے ایک سابق چانسلر (اور حال نمائندہ ایران یونیسکو) پروفیسر ڈاکٹر فضل اللہ رضا نے "محمد اقبال" نام کا ایک پُرمغز مقالہ لکھا جو ۵۰ صفحے کے ایک رسالے کی صورت میں طباعت پذیر ہوا ہے۔ پروفیسر رضا' مدتوں سے مطالعۂ اقبالؔ میں منہمک رہے۔ ان کا یہ رسالہ جب زیادہ تعداد میں چھپے گا' تو اقبال شناسی کے ضمن میں بہت مفید ثابت ہوگا۔ اس کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:

شناسائی اقبالؔ' شعر فارسی' اقبالؔ بُت شکن و مہاجم تمدن غرب' پژوهنده و آفریننده' شاعرِ اسلام' سبک سخن' آزادی و حریت فکر' شاعرِ جہان ...... ہم یہاں اِن عنوانات کے بعض اہم مطالب مختصر طور پر پیش کرتے ہیں:

'اقبالؔ نے اقوام مشرق اور خصوصاً مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا پُرزور درس دیا۔ وُہ مغربی تمدن کی چمک دمک سے متاثر نہ ہُوئے بلکہ ان کے گلبانگِ بیان کے ذریعے کئی مسلمان مغرب زدگی سے بچ گئے۔ ان کا یہ مشورہ کس قدر صائب ہے کہ مغربی علوم و فنون پڑھیں مگر مغرب کی نقالی نہ کریں کیونکہ مشرقیوں کے آدابِ معاشرت' یورپ والوں کے

۱۔ پاکستان میں علماء و محققین کا اس پر اتفاق ہوچکا ہے جس کے مطابق ۱۹۷۷ء میں سرکاری سطح پر اقبال کا صد سالہ جشنِ ولادت منایا جائے گا۔ (ایڈیٹر)

آدابِ معاشرت سے کہیں بہتر و برتر ہیں (۱)۔

اقبالؔ کے درسِ حریت و آزادی میں درسِ تخلیق بھی مضمر ہے۔ ان کے نزدیک آزاد اور غلام کا فرق ہی تخلیق کے پیمانے سے منوط ہے۔ آزاد وُہ ہے جو وقت کی قدر کرے تخلیق و تحقیق کا جوہر دکھلائے، زندگی کو پُرثمر بنائے نہ کہ نکما اور بے عمل رہ کر شاکیٔ تقدیر رہے۔ اقبالؔ فلسفۂ زماں میں کس خوبی سے ندرت فکر و عمل کا درس دیتے ہیں۔

نکتہ ای می گویمت روشن چو دُر تا شناسی امتیاز عبد و حُر

عبد گردد یاوہ درلیل و نہار دردلِ حُر، یاوہ گردد روزگار

عبد را تحصیلِ حاصل، فطرت است وارداتِ جان او بی ندرت است

دمبدم نو آفرینی کارِ حُر نغمہ پیہم تازہ ریزد، تارِ حُر

فطرتش زحمت کش تکرار نیست جادۂ او حلقۂ پرگار نیست (۲)

اقبال شاعرِ اسلام ہے یا شاعرِ عالم؟ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ اسلام، دینِ عالم ہے۔ وُہ کسی مخصوص گروہ یا خِطّے کا دین نہیں۔ لہٰذا شاعرِ اسلام، شاعرِ عالم بھی ہے۔ اقبالؔ کا بیشتر خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اِسے کسی ایسے گروہ سے خطاب کرنا ہی تھا جو اس کی آواز پر توجہ دے سکے اور پھر اس کے پیغام کو عام کر سکے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے دِل میں سارے ہی جہاں کا درد تھا۔

بہرِ انسان چشم من شبہا گریست تا دریدم پردۂ اسرار زیست

اُس نے وطنیت کی مخالفت کی۔ صرف مسلمانوں کو اس کے معائب نہ بتائے بلکہ عام کئے۔ اس کا یہ افسوس و تأثر، عالمی ہے۔

آنچناں قطعِ اخوت کردہ اند بر وطن تعمیرِ مِلّت کردہ اند

تا وطن را شمعِ محفل ساختند نوعِ انسان را قبائل ساختند

روح از تن رفت وهفت اندام ماند آدمیت گم شد و اقوام ماند

۱۔ ص۱۹۰ عنوان بُت شکن۔ ۲۔ ص۱۲۲ عنوان پژوهنده و آفریننده۔

وُہ ببانگِ دہل کہتا ہے :

مردِ مومن از خدا گیرد طریق — می شود بر کافر و مومن شفیق

کفر و دیں را گیر در پنہای دِل — دل اگر گریزد از دل، وای دل

گرچہ دل زندانی آب و گل است — این ہمہ آفاق، آفاقِ دل است

حقیقت یہ ہے کہ شیخ سعدیؒ نے ایک حدیثِ نبوی ﷺ کو پیشِ نظر رکھ کر "بنی آدم اعضائے یک دیگرند"[1] کا جو مؤثر درس دیا تھا، سات سو سال بعد اس کا اعادہ اقبالؔ ہی نے کیا۔ کوئی دُوسرا شاعر عالمی اخوت کا یہ درس عام فہم انداز میں پیش نہیں کر سکا۔[2]

۱۔ بنی آدم اعضای یک دیگرند — کہ در آفرینش ز یک جوہرند۔ ۲۔ ص۳۱ عنوان شاعرِ جہان۔

***